© rasailojaraid.com

مولانا محمد حنیف ندوی

محتویاتِ قرآن

علوم و مسائل کا یہ بحرِ ذخار جو قرآن حکیم کے نام سے موسوم ہے، اپنے دامن میں کن کن موضوعات کو گھیرے ہوئے ہے، اس کا تعین دشوار ہے:

قل لو کان البحر مدادا لکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی ولو جئنا بمثلہ مددا[1]

کہہ دیجیے، اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کو قلم بند کرنے کے لیے سیاہی بن جائے، تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں، سمندر پایاب ہوجائے۔ چاہے اس سمندر کی مدد کو ایسا ہی ایک اور سمندر لے آئیں۔

زندگی کا کون گوشہ اور مسئلہ ایسا ہے جس کا حل اس میں موجود نہیں:

الٓر کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت[2]

الر۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں اور پھر ان میں مسائل و احکام کی تفصیل بھی بیان کر دی گئی ہے۔

ولقد ضربنا فی ھذا القرآن من کل مثل[3]

اور ہم نے لوگوں کو سمجھانے کی خاطر ہر طرح کی مثال و اسلوب اختیار کیا ہے۔

قدما میں سے بہت سے اہلِ علم نے یہ کوشش کی ہے کہ معارفِ قرآنی یا قرآن کے جملہ محتویات کی نشان دہی کی جائے، جیسے قاضی ابوبکر بن العربی (اشبیلیہ کے مشہور فقیہ) علی بن عیسٰی (الرمانی تفسیر، نحو اور لغت کے امام) قاضی ابوالمعالی عزیزی (معروف بہ شیذلہ کتاب البرہان فی مشکلات القرآن کے مصنف)[4] وغیرہ۔ لیکن یہ سعادت فخر متاخرین حضرت

---

[1] الکہف: ۱۰۹
[2] ہود: ۱
[3] الزمر: ۲۷
[4] البرہان زرکشی، ج ۲، ص ۱۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہ کے لیے مقدر تھی کہ وہ قرآن حکیم کے ان تمام مضامین اور گہرہائے گراں مایہ کو جو الفاتحہ سے لے کر والناس تک متعدد سورتوں میں پھیلے اور بکھرے ہوئے تھے، یک جا کر کے ایسے پانچ خانوں میں تقسیم کر دیں کہ جو قریب قریب قرآن کے تمام معارف پر مشتمل ہوں۔ قریب قریب کا لفظ ہم اس لیے استعمال کر رہے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ تقسیم اپنی افادیت کے باوجود بڑی حد تک جامع تو ہے، لیکن حاصر و مانع نہیں کہی جا سکتی۔ وجہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ آخر کون ایسا ہمہ دان شخص ہو سکتا ہے جو قرآن کے مشمولات کا استیعاب کر سکے۔ مزید برآں یہ کہہ سکے کہ ناقص نے کامل ایسے حسن و جمال کے تمام پہلوؤں کی جھلک دیکھ لی ہے۔ ابھی متعدد نجوم و کواکب ایسے ہیں، جنھیں اس کتاب ہدیٰ کے مطلع روشن سے ابھرنے اور طلوع ہونا ہے۔ اور بے شمار نکات و معانی ہیں جنھیں زمان و ارتقا کی مناسبتوں کے ساتھ ساتھ نکھرنا اور واضح ہونا ہے۔

بہر حال ہم آئندہ صفحات میں شاہ صاحب ہی کی تقسیم مضامین کو اصل اور بنیاد قرار دے کر اپنے خیالات کا اظہار کریں گے۔ یہ اصول پنجگانہ کیا ہیں۔ شاہ صاحب کے ارشاد کی روشنی میں اس کی تفصیل یہ ہے:

اصول پنجگانہ

"باید دانست کہ معانی منظومہ قرآن خارج از پنج علم نیست۔ علم احکام از واجب و مندوب و مباح و مکروہ و حرام خواہ از قسم عبادات باشد یا تدبیر منزل۔ یا سیاست مدنیہ و تفصیل ایں علم ذمہ فقیہ است و علم مخاصمہ با چہار فرقہ ضالہ یہود و نصاریٰ و مشرکین و منافقین و تفریع بدیں علم بذمہ متکلم است۔ و علم تذکیر بآلاء اللہ از بیان خلق آسمان و زمین و الہام بندگان بآنچہ ایشاں بالیست و از بیان صفات کاملہ او تبارک و تعالیٰ۔ و علم تذکیر بایام اللہ یعنی بیان وقائع کہ آنرا خدائے تعالیٰ ایجاد فرمودہ است از جنس انعام مطیعین و تعذیب مجرمین۔ و علم تذکیر بموت و ما بعد آں از حشر و نشر و حساب و میزان و جنت و نار و حفظ تفاصیل ایں علوم و الحاق احادیث و آثار مناسبہ آں وظیفہ واعظ و مذکر است۔ و بیان ایں علوم بر روش تقریر عرب اول واقع شدہ نہ تقریر روشن متاخراں" ھ

ھ الفوز الکبیر۔ شائع کردہ قرآن محل کراچی۔ باب اول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآنِ حکیم میں جن متعین معانی کا ذکر ہوا ہے، وہ پانچ انداز کے ہیں:

علم احکام[1] - یعنی واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام سے متعلق علم - چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، تدبیر منزل سے ہو یا سیاست مدن سے - اس علم کی تفصیلات سے تعرض کرنا فقیہ کا کام ہے -

علم مخاصمہ[2]: جس کا مطلب یہ ہے کہ یہودی، عیسائی، مشرکین مکہ اور منافقین کے بارہ میں جن کا شمار فرق ضالہ میں ہوتا ہے، قرآن حکیم کا اسلوب بحث و مجادلہ --- اس کی تفصیلات بیان کرنا متکلمین کے دائرۂ فرائض میں داخل ہے -

تذکیر بآلاء اللہ[3]: یعنی اللہ تعالیٰ کے انعامات اور نشانیوں کا ذکر - اس ضمن میں زمین و آسمان کی تخلیق و آفرینش اور ان وقائع کا تذکرہ کیا گیا ہے جو بذریعہ الہام بندوں کو بتائے گئے اور کہا گیا کہ اس کا تعلق انعام و تعذیب کے پیمانوں اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ سے ہے -

تذکیر بایام اللہ[4]: اس سے غرض اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اور خلق کردہ ان حالات و واقعات کا ذکر ہے جو اطاعت شعار بندوں کے انعام، اور نافرمانوں کی عقوبتِ سزا سے متعلق ہیں -

علم تذکیر موت[5]: اس کے ضمن میں موت اور موت کے بعد پیش آنے والے کوائف کا تذکرہ ہے - جن میں حشر و نشر، حساب، میزان، جنت و دوزخ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں - ان کی توضیح و تشریح کے سلسلہ میں موزوں احادیث و آثار کا بیان کرنا اور ان کو یاد رکھنا حضرات واعظین و مذکرین کے دائرۂ کار میں داخل ہے -

شاہ صاحب کی اس تقسیم مضامین کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم میں وہ مضامین جن کو مرکز و محور کی حیثیت حاصل ہے وہ یہ پانچ ہیں:

۱- علم احکام (۲) علمِ مخاصمہ (۳) علم تذکیرِ بالاء اللہ

(۴)- علم تذکیر بایام اللہ اور (۵) علم تذکیر موت و مابعد آن -

اصول پنجگانہ اور ربطِ آیات

قرآن حکیم کی آیات و سورہ کا موضوع یہی وہ پانچ اصول ہیں، جن کو قرآن حکیم نے بہت تکرار گھما پھرا کر سیاق و سباق کی مختلف مناسبتوں کے پیش نظر بیان کیا ہے - یہ پانچ اصول کسی حد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک قرآن حکیم کی جامعیت اور ہمہ گیری کے عکاس ہیں۔ اس کی وضاحت تو اس وقت ہو سکے گی، جب ہم اس ایک ایک عنوان کے تحت درج ہونے والے ان ضمنی مباحث کا تفصیلی ذکر کریں گے، جن کا تعلق فکر و عقیدہ اور عمل و کردار کے مختلف گوشوں سے ہے۔

سر دست ہمیں یہ کہنا ہے کہ شاہ صاحب کی اس تقسیم مضامین کو مان لینے سے قرآن کے بارہ میں اس عظیم غلط فہمی کا ازالہ آپ سے آپ ہو جاتا ہے، جس کو مستشرقین نے بہت اچھالا ہے۔ یعنی یہ کہ قرآن کی آیات میں بظاہر وہ ربط و ترتیب اور تسلسل پایا نہیں جاتا جس کی توقع اس دور کی ہر مفید کتاب سے کی جا سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ لوگ یہ صاف صاف کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کی آیات بے جوڑ اور ان مل ہیں۔ اس لیے اس دور کے لوگوں کے لیے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی، جن کے پاس وقت بہت ہی کم ہے۔ اور جو اس بات کے عادی ہیں کہ ہر خیال اور فکر کو اس کی مرتب شکل میں دیکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ جب قرآن حکیم کے اسلوبِ بیان کو موجودہ دور کے اسلوبِ بیان سے مختلف پاتے ہیں تو دلجمعی کے ساتھ اس کا مطالعہ نہیں کر پاتے اور اس میں وہ لطف و کیف اور استفادہ و استفاضہ محسوس نہیں کرتے، جو ایک ایسا شخص کرتا ہے جو قرآن کے اسلوب و نہج سے آشنا ہے، جو اس کے تیور پہچانتا ہے اور اس کی اداہائے دلبری سے اچھی طرح آگاہ ہے۔

بات یہ ہے کہ قرآن حکیم تاریخ کے ایک خاص دور میں نازل ہوا ہے۔ ایک مخصوص قوم کے حالات، مزاج اور اسلوبِ اظہار کے جانے بوجھے معیار کے مطابق اترا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا انداز فنون اور علوم و معارف کی موجودہ تصنیفات سے جداگانہ ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ غیر دلچسپ یا بے جوڑ اور ان مل ہے۔ یا اس کی تلاوت و مطالعہ سے فہم و ذوق لطف اندوز نہیں ہو پاتے۔ دراصل ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک مرتبہ اس کتاب کے مزاج کو پہچان لیا جائے، اس سے دوستی اور محبت کے جذبات استوار کیے جائیں اور اس کے طریقِ تبیین پر اور ان اصولی مباحث و مضامین پر ایک نظر ڈال لی جائے جو زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ پھر اگر یہ کتاب دلوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کر پائے اور پڑھنے والوں پر کیف و وجد کی کیفیتیں طاری نہ کر دے یا سرور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرشاری کے روحانی جذبوں کو بے وار نہ کر دے، تو البتہ یہ اس کا نقص شمار ہوگا۔ مگر ایسا کبھی نہ ہوگا۔

ہر شخص جانتا ہے کہ عربوں کی اکثریت اسلام سے پہلے کہیں بھی جم کر رہنے کی عادی نہ تھی۔ ان کا معمول یہ تھا کہ جہاں گھاس اور چارہ کی آسانیاں دیکھتے اور غذا اور پانی کی سہولتیں پاتے وہیں ڈیرا ڈال دیتے۔ شہروں اور قصبوں میں سمٹ کر اور گھر بنا کر رہنے کے یہ قائل نہ تھے۔ آج یہاں خیمے گڑے ہیں کل وہاں چہل پہل ہے۔ یہی ان کی زندگی کا ایک ڈھنگ تھا۔

زبان اور پیرایہ بیان کی خصوصیات زندگی کی ترجمان ہوتی ہیں۔ چنانچہ جس طرح مسلسل سفر اور کہیں ایک جگہ جم کر نہ رہنا ان کا دستور تھا، ٹھیک اسی طرح شعر و ادب میں بھی صنعتِ تنقل نے ان کے ہاں باقاعدہ معیار اور اسلوب کی شکل اختیار کر لی تھی۔ تنقل کے معنی اہلِ بلاغت کے نزدیک یہ ہیں کہ شاعر یا خطیب، ایک مضمون بیان کرتے کرتے کسی مناسبت کے پیشِ نظر فوراً عنانِ توجہ کسی دوسرے معنی کی طرف پھیر دے۔ جو لوگ عربی ادب پر نظر رکھتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ جاہلیت کے شعرا اور خطیب کیونکر اس صفت سے اپنے معلقات اور خطبوں کو سجاتے تھے۔ شاہ صاحب نے قرآنِ حکیم کے مضامین کو جو پانچ خانوں میں تقسیم کیا ہے، اس سے اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ یہی صنعت قرآنِ حکیم کے اسلوب بیان کا طرۂ امتیاز ہے۔ یعنی جس طرح ایک جاہلی شاعر تشبیب سے مفاخرہ کی طرف اور مفاخرہ سے ذاتی و قبیلوی معرکہ آرائیوں کی جانب اشعار کو اچانک موڑ دیتا ہے، اسی طرح قرآنِ حکیم میں اسلوب و طریق اظہار کا یہ تنوع جا بجا پایا جاتا ہے۔ یعنی ابھی احکام و مسائل کی تفصیلات کا ذکر کیا جا رہا تھا کہ بیچ میں مخالفین کے مزعوماتِ باطلہ کا قصہ چھڑ گیا۔ اس سے آگے بڑھے تو انعاماتِ الٰہی کی دل نواز بحث نے اپنی طرف متوجہ کیا اور غور و فکر اور عبرت پذیری کے بیسیوں پہلو فکر و نظر کے سامنے گھوم گئے۔ اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ سیاق و سباق کی مناسبتوں نے مضمون کا رخ تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ کی طرف پھیر دیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ موت اور ما بعد الموت کی کیفیات کا کیا عالم ہوگا۔ کس طرح ہر شخص اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوگا اور کیونکر احتساب اور جزا و سزا کے پیمانے حرکت میں آئیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غرض جس طرح تنقل یا نقل مکانی، آب و ہوا اور جغرافیائی مجبوریوں کے پیشِ نظر ان کی روزمرہ زندگی کا جزء بن گیا تھا۔ اسی طرح اس نے ان کے ادبی شہ پاروں میں ایک معیار اور اسلوب کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اور قرآنِ حکیم نے ترتیبِ مضامین میں اس اسلوب اور معیار کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ اس کو درجۂ کمال تک پہنچایا اور اس نے معنی کے لحاظ سے ایسے ایسے نوادر اور لطائف پیدا کیے جو بصورت دیگر پیدا نہیں ہو سکتے تھے۔

علوم بلاغت کے شناور اکثر اہلِ علم نے اس کا اپنی کتابوں میں خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ کہیں تو اس کو تنقل کہا گیا ہے، کہیں انتقال سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہیں تخلص سے۔ مطلب بہرحال یہ ہے کہ قرآن حکیم کے اسلوبِ بیان میں ربطِ آیات کی نوعیت اس انداز کی نہیں ہے کہ ہر آیت کا تعلق سابقہ آیت سے ٹھیک اس نوعیت کا ہو جس نوعیت کا فنون کی کتابوں میں اور ان کتابوں میں پایا جاتا ہے جن کو بعد کے انسانی ذہن نے ترتیب دیا ہے۔ بلکہ اس ربط کے معنی جو قرآن حکیم کی آیات میں جلوہ کناں ہے، یہ ہے کہ یہ تمام آیات جس محور و مرکز کے گرد گھومتی ہیں، وہ یہ اصول پنجگانہ ہیں۔ ترتیب اور ربطِ آیات کے اس اسلوب میں، علاوہ اس خصوصیت کے کہ یہ عربوں کے معیارِ بلاغت کے عین مطابق ہے اس طریق فہم و تدبر کا بھی غماز ہے جو ذہن انسانی کا خاصہ ہے۔ ذہنِ انسانی جب بھی سوچتا ہے تو اس کے سوچنے کا ڈھب یہ نہیں ہوتا کہ جم کر کسی ایک ہی مضمون و معنی پر اپنی فکری کاوشوں کو مرکوز رکھے۔ بلکہ یہ ادنیٰ مناسبت سے ایک مضمون سے دوسرے مضمون اور ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف برابر حرکت کناں رہتا ہے۔ ذہن انسانی کی اسی سیماب وشی سے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ریاضی پر غور کرتے کرتے، سائنس کی حقیقت سوجھ گئی اور سائنس کو موضوع ہدف ٹھہرانے کے دوران فلسفہ کا کوئی نکتہ ابھر کر ذہن کی سطح پر نمودار ہو گیا۔ علم و معارف کی تاریخ پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ تمام بڑے بڑے حقائق و انکشافات ذہن انسانی کی اسی عادت سیماب وشی اور نقل و انتقال کی بدولت معرضِ وجود میں آئے ہیں۔

علمِ احکام

محتویاتِ قرآن میں علمِ احکام کن خصوصیات کا حامل ہے، ان کو تفصیل سے جاننے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے شاہ صاحب کے پیش کردہ ان دو اصولوں کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

۱۔ قرآنِ حکیم نے معروفات و منکرات یا احکام و مسائل کی جن جن جزئیات کو بیان کیا ہے، ان میں قرآن کی حیثیت یہ نہیں کہ وہ ان کے بیان کرنے میں منفرد ہے یہ ایسی اقدارِ حیات کی طرح ڈالی ہے جو پہلے سے معاشرہ میں رائج و مقبول نہ تھیں۔ کیونکہ نزولِ قرآن سے پہلے عربوں کے رہن سہن اور طور طریق کا ایک متعین انداز موجود تھا اور ان کے شعائر و رسوم، تدبیر منزل اور ہیئت اجتماعیہ کے قاعدے اور سانچے پورے معاشرہ میں جانے بوجھے اور متعارف تھے اور ان پر ان کو فخر و ناز بھی تھا۔ زندگی کے یہ وہ بچے کھچے اور محرف و مبدل اصول اور ضابطے تھے، جن کو ان کی صحیح شکل و صورت میں حضرت ابراہیم نے اوّل اوّل پیش کیا تھا۔ جو رابی کی تعلیمات اور ان کے مقامی حالات و ظروف کے تقاضوں نے بھی اس طرزِ حیات کو خاصہ متاثر کیا۔ قرآنِ حکیم کا موقف ان خیالات و افکار یا مسائل و احکام کے بارہ میں یہ تھا کہ امتدادِ زمانہ سے ان میں خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان کو دور کیا جائے اور ان میں اصلاح و تجدید کی ایسی روح پھونکی جائے جس سے ان کی افادیت اور افضیت بڑھ جائے۔ اس لیے قرآنِ حکیم نے یا تو کہیں تخصیص عموم سے کام لیا ہے اور یا پھر ان میں کچھ بڑھایا اور گھٹایا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب کا کہنا ہے:

"وکلیہ در مباحث احکام آن است کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در ملتِ حنفیہ مبعوث شدند۔ پس لازم آمد کہ شرائع آن ملت را باقی گذارند و ہیچ تغیر باُمہات آں مسائل را نہ باید مگر تخصیص عموم و زیادت توقیتات و تحدیدات و مانند آن"[56]

احکام و مسائل کے بارہ میں قرآن کا بنیادی اسلوب یہ ہے کہ آنحضرت چونکہ ملتِ ابراہیمی کے ایک فرد ہیں، کہ اس لیے یہ ضروری تھا کہ آپ حضرت ابراہیم کی شریعت کو باقی رکھیں اور اس میں کوئی تبدیلی روا نہ رکھیں۔ سوا اس کے کہ کہیں عموم کو خاص سے بدل دیا جائے یا کہیں کہیں توقیت و تحدید سے کام لیں۔

۲۔ قرآنِ حکیم کی دعوت اگرچہ اصولی طور پر پوری دنیائے انسانیت کے لیے ہے اور

---

[56] الفوز الکبیر، ص ۴۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نے احکام و مسائل کے جن پیمانوں کو پیش کیا ہے ، ان سے مقصود یہی ہے کہ زمان و مکان کے تقیید اور حد بندیوں کے باوجود تعلیمات کو ان آفاقی سانچوں میں ڈھالا جائے جن سے رہتی دنیا تک ہر قوم اور معاشرہ استفادہ کر سکے ۔ اس لیے اس نے عربوں کے مقامی افکار و خیالات اور ان کے جغرافیائی اور تاریخی تقاضوں سے انحراف نہیں کیا، بلکہ یہ چاہا کہ ان کو بنیاد قرار دے کر ان میں ایسی اصلاحات روا رکھی جائیں اور ایسی روح پھونکی جائے کہ جس سے زمان و مکان کے زنداں سے نکل کر تعلیمات کا یہ نہج پورے کرہ ارضی کے لیے رحمت و لطف اور ضیاء و روشنی کا مینار بن جائے ۔

شاہ صاحب کا ارشاد ہے :

خدائے تعالیٰ خواست کہ بہ بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب را پاک کند و بدست عرب سائر اقالیم را۔[۵۷]

اللہ تعالیٰ کے کرشمہ الوہیت نے پسند کیا کہ آنحضرت کے ذریعہ پہلے تو عربوں کو سنوارا جائے اور پھر ان کے ذریعہ تمام ممالک کی اصلاح کی جائے ۔

قرآن حکیم کے فہم و تدبر کے لیے ان دو نکتوں کو ملحوظ رکھنا حد درجہ ضروری ہے شاہ صاحب دراصل یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن حکیم نے وحی و تنزیل کی روایات کو نہ صرف قائم رکھا ہے اور تہذیب و تمدن کے ان قاعدوں اور پیمانوں کا احترام کیا ہے ، جو پہلے سے عربوں میں رائج اور مقبول تھے بلکہ تسلسل و ارتقا کے ہمہ گیر قانون کے تحت ان کو اس آخری شکل میں ڈھالا ہے کہ جس سے ان تعلیمات میں ایک طرح کی آفاقیت ابھر آئی ہے اور یہ اس لائق ہو گئے ہیں کہ تاریخ کے ہر دور میں نوع انسانی ان سے استفادہ کر سکے ۔

شاہ صاحب کے نزدیک احکام و مسائل کے باب میں قرآن حکیم کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اوامر و نواہی میں درجہ و نوع کا فرق ملحوظ رکھا ہے ۔ چنانچہ نہ تو سب اوامر کی حیثیت فرض و واجب کی ہے اور نہ تمام نواہی حرمت قطعیہ پر دلالت کناں ہیں بلکہ ترتیب

---

۵۷ الفوز الکبیر، ص ۴۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشیا کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ احکام تو فرضیت سے متصف ہوں، کچھ وجوب سے اور کچھ ایسے ہوں کہ ان کی حیثیت محض مندوب و مستحسن کی ہو۔ اسی طرح نواہی میں مباح مکروہ اور حرام کی تقسیم کی جانی چاہیے[۵۵]

لیکن درجہ و نوعیت کا یہ فرق کیونکر معلوم ہو یہ خالص فنی و فقہی بحثیں ہیں جن کو ہمارے ائمۂ اصول و حدیث نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ امام شافعی اور شوافع میں الکیا الہراسی اسی کا نام اس سلسلہ میں سرفہرست ہے۔ احناف میں ابوبکر الرازی معروف بالجصاص کی کتاب احکام القرآن خصوصی مطالعہ کی مقتضی ہے۔ اسی طرح مالکیہ میں قاضی اسماعیل جو فقہ و قضا میں مہارت و شغف کے ساتھ نحو میں مبرو کے ہم پایہ مانے جاتے تھے، انھوں نے اور بکر بن العلا القشیری اور ابن بکیر وغیرہ نے احکام و مسائل کی تفصیلات پر بہت کچھ لکھا اور حلقہ حنابلہ کی آخری کڑی، القاضی ابو یعلی الکبیر نے اس بارہ میں حنابلہ کے نقطۂ نگاہ کی اچھی طرح وضاحت کی۔ ان بحثوں کے ابواب و فصول کی تشریح کا یہ محل نہیں ورنہ ہم بتاتے کہ ہمارے ان علما نے استدلال و استنباط کے کن کن نوادر اور جواہر ریزوں کی نشاندہی کی ہے۔ یہاں سر دست بتانا یہ مقصود ہے کہ قرآن حکیم نے احکام و مسائل کو اس معنویت، گہرائی اور حکیمانہ اسلوب سے بیان کیا ہے کہ ائمۂ اصول کے لیے اس نے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ یعنی تمام صحف سماویہ میں یہ فخر صرف قرآن حکیم کو حاصل ہے کہ اس کے بیان کردہ احکام و مسائل آئندہ چل کر ایک خاص طرح کے فلسفہ احکام کا پیش خیمہ ثابت ہوئے، جس سے فقہ اسلامی ایسا عظیم المرتبت علم معرضِ ظہور میں آیا۔ یہ وہ فن تھا جس نے اسلامی معاشرہ کو ہر دور میں ایک نظم میں منسلک کرنے اور اس میں تہذیب و ثقافت کی وحدت و یکسانی کو قائم رکھنے میں بہت مدد دی۔

مسائل و احکام سے متعلق یہ آیات، سیاق و سباق کی مناسبتوں سے مختلف انداز اور مختلف اسالیب کے ساتھ پورے قرآن میں جلوہ گر ہیں۔ کہیں صاف صاف حکم و نہی کا انداز

---

۵۵ الفوز الکبیر باب اول ابتدائی سطور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، کہیں خبر و قصہ کے ضمن میں کوئی اہم بات بیان کر دی ہے اور کہیں عتاب و نصیحت اور سوال کی صورت میں کسی فعل و عقیدہ کی پسندیدگی اور عدم پسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔

احکام و مسائل پر مشتمل آیات کی کل تعداد پانچ سو کے لگ بھگ ہے۔ غزالی اور رازی کا اس پر اتفاق ہے۔ لیکن ان میں وہ آیات داخل نہیں ہیں جو براہ راست احکام و مسائل پر دلالت کناں ہیں۔ بلکہ ان سے بر سبیل استدلال و استنباط، بعض احکام کا استنباط کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر جن سورتوں میں احکام و مسائل کا ذکر ہوا ہے، وہ البقرہ، النساء، المائدہ، اور الانعام ہیں[۹]

احکام و مسائل کی تبیین و تشریح کے سلسلہ میں قرآن حکیم کی روش خاص یہ ہے کہ یہ جب کسی فعل و کردار کو پسند کرتا ہے اور اسے معروف و مستحسن ٹھہراتا اور لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہے تو صرف حکم دینے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کی حکمت و فلسفہ بھی بیان کرتا ہے اور اس سے دلوں میں لگاؤ اور محبت کے دواعی بھی بیدار کرتا ہے۔ اسی طرح جب بعض ناپسندیدہ عادات سے معاشرہ کو محفوظ رکھنا مقصود ہو تو یہ بھی بتاتا ہے کہ ان عادات و خصائل یا افعال میں برائی اور قبح کا کیا پہلو پنہاں ہے۔ یہی نہیں، اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ یہ دیکھتا ہے کہ ان احکام و نواہی کو دلوں میں اتارنے اور معاشرے میں سمونے کے لیے کس نفسیاتی فضا کی ضرورت ہے اور یہ نفسیاتی فضا تبلیغ و عمل کے کن مراحل کی متقاضی ہے۔

مثلاً جب قرآن حکیم یہ کہہ کر نماز کو فرض قرار دیتا ہے:

واقم الصلوٰۃ[۱۰]

اور نماز کی پابندی اختیار کر۔

تو اس کے متعلقات اور جزئیات کے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ان اخلاقی و روحانی فوائد اور برکات کا بھی ذکر کرتا ہے، جن سے ایک نمازی بہرہ مند ہوتا ہے:

ان الصلوٰۃ تنہٰی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر[۱۱]

۹۔ برہان، ج ۲، ص ۳/۴ ۱۰۔ العنکبوت: ۴۵ ۱۱۔ العنکبوت: ۴۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ شک نہیں۔ نماز فحش اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بہت ہی نفع کی چیز ہے۔

یعنی نماز پڑھنے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں نیکی سے محبت اور شغف پیدا ہو جاتا ہے اور برائیوں سے طبیعت نفرت کرنے لگتی ہے اور سب سے بڑا انعام انسانیت کی یہ معراج ہے کہ انسان کو نماز کی صورت میں براہِ راست اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہونے اور بات کرنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب قرآن کی زبان میں شراب کو حرام ٹھہرانا چاہا تو ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہ تھا۔ صدیوں سے رائج اور منہ سے لگی ہوئی یہ کافر محض ایک حکم و امر کے ذریعہ کیا چھٹتی۔ اس مقصد کے لیے تدریج اور تسہیل کا نفسیاتی عمل ضروری تھا اور دیکھیے کہ قرآنِ حکیم نے کس خوبصورتی سے تدریج و تسہیل کے اس نفسیاتی اصول کو ملحوظ رکھا۔

پہلے مرحلے میں تو اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی کہ جب تم نماز پڑھتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے حضور عبودیت و بندگی کا نذرانہ پیش کرتے اور روحانی کوائف سے بہرہ مند ہوتے ہو تو اس حالت میں یہ تو نہ ہونا چاہیے کہ تمہیں شراب کے نشے نے دھت کر رکھا ہو۔

لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ [۱۲]

نشے کے عالم میں تم نماز کے قریب نہ جاؤ۔

اور تعلیم و تربیت کے اسی مرحلہ میں اس حقیقت کی پردہ کشائی بھی فرما دی۔

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر [۱۳]

آپ سے یہ لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ دونوں میں بہت بڑی مضرت پنہاں ہے۔

اور جب یہ حقیقت مسلمانوں پر واضح ہو گئی کہ شراب نہ صرف روحانی نقطۂ نظر سے سخت مضر شے ہے اور ایک طرح کی محرومی سے تعبیر ہے۔ بلکہ اس میں خالص جسمانی نقطۂ نظر سے بھی نقصان کے پہلو زیادہ ہیں، تو پھر نفسیاتی طور پر وہ مرحلہ آ گیا، جب اسلامی معاشرہ

---

[۱۲] النساء : ۴۳ [۱۳] البقرہ : ۲۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو دو ٹوک حکم کے ذریعہ اس برائی سے روک دینا مؤثر ثابت ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

یایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون [14]

اے مسلمانو! شراب، جوا، بت اور پاسے ناپاک شیطانی کام ہیں، ان سے مجتنب رہو تاکہ نجات پاؤ۔

---

[14] المائدہ : ۹۰

مطالعۂ قرآن

از مولانا محمد حنیف ندوی

اس کتاب میں مولانا ندوی نے قرآن سے متعلق ان تمام مباحث و مسائل پر محققانہ اظہارِ خیال کیا ہے، جن سے نہ صرف قرآن فہمی میں خصوصیت سے مدد ملتی ہے، بلکہ اس کتابِ ہدیٰ کی عظمت بھی نکھر کر فکر و نظر کے سامنے آجاتی ہے۔ مزید برآں اس سے قرآن کے علوم و معارف اور دعوت و اسلوب کی معجزہ طرازیوں پر بھی تفصیل سے روشنی پڑتی ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے زرکشی کی البرہان اور سیوطی کی الاتقان کے ان تمام جواہر ریزوں کو اپنے مخصوص شگفتہ اور حکیمانہ انداز میں جمع کر دیا ہے اور مستشرقین کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا تسلی بخش جواب بھی دیا ہے، جو تلبس ذہن میں شکوک و شبہات ابھارنے کا موجب ہو سکتے ہیں۔ غرض اسے قرآنی فکر و تصور کے بارے میں ایسا انسائیکلوپیڈیا کہنا چاہیے جس میں وہ ساری بحثیں اور مضامین سمٹ آئے ہیں جن کی دورِ حاضر کو ضرورت ہے۔

(زیرِ طبع)

ملنے کا پتہ : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com